© rasailojaraid.com

ملت کے یہ سربراہ اس غیر مسئول اقتدار کے نشہ میں بدمست ہو کر عوام کو ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنانا شروع کر دیں تو پھر ان بیچاروں کی نجات کی صورت کیا ہوگی۔ کیا ضمیر کی آزادی کے لیے یہ ضروری نہیں کہ انسان کی معیشت بھی آزاد ہو۔

پھر مولانا جیسے فاضل اور بیدار مغز عالم سے یہ بات بھی پوشیدہ نہیں کہ دَورِ جدید میں حکومت کے اختیارات اس قدر وسیع ہو گئے ہیں کہ وہ ذرائع پیداوار پر قبضہ کیے بغیر معاشی ناہمواریوں کو جس طرح چاہے محدود کر سکتی ہے اور جس سطح پر چاہے عوام کی بنیادی ضروریات پوری کرنے پر قدرت رکھتی ہے۔

مولانا نے اسی باب میں غلامی کا ذکر کرتے ہوئے جس روشن ضمیر عالم پر "معذرت پسند متکلم" کی چوٹ کی ہے وہ بھی صحیح نہیں۔ روشن ضمیر متکلم نے غلامی کے بارے میں وہ بات نہیں کی جو اس کی طرف منسوب کی جا رہی ہے۔ آج بھی اگر جنگی قیدیوں کے تبادلے کا بین الاقوامی قانون ختم ہو جائے تو پھر متعدد دوسری تدابیر کے علاوہ غلامی بھی قابلِ غور حل ہی متصور ہوگا۔

"اساسیات اسلام" میں ہمیں چند بنیادی عنوانات کی عدم موجودگی شدت سے کھٹکتی ہے۔ اگر توحید باری کا ذکر اساسیات اسلام میں سے ایک اساس ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ختم المرسلینی پر ایمان بھی اسلام کی ایک اساس ہی ہے۔ اسی طرح اگر نماز کا تذکرہ ضروری ہے، تو صوم، زکوٰۃ اور حج کا ذکر بھی اسی طرح ضروری ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ فاضل مصنف اس کتاب کی اشاعت ثانی کے وقت ہماری ان معروضات کو نگاہ میں رکھیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(بقیہ اشارات) تو اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ حق نے باطل کے بارے میں یا باطل نے حق کے بارے میں مصالحانہ رویہ اختیار کر لیا ہے بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ آغاز میں باطل حق کی قوت کا بخوبی اندازہ نہیں کر سکتا اور وہ اسے ایک ناقابل التفات سی چیز سمجھ کر تھوڑے سے عرصے کے لیے نظر انداز کر دیتا ہے یا پھر حق کے علمبرداروں میں وہ انقلابی رُوح مفقود ہوتی ہے جس سے باطل لرزتا اور خوفزدہ ہوتا ہے۔

آپ اس نیم بر اعظم کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو بیسیوں ایسی مثالیں مل جائیں گی جن سے آپ کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا کہ باطل حق کے خطرات کی کس ذہانت کے ساتھ پیش بینی کرتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کسی تخت و تاج کے اُمیدوار اور دعویدار نہ تھے۔ ایک مرد درویش تھے جو مسلمانوں کو ان کا بھولا بسرا سبق یاد دلانے میں اپنی توانائیاں صرف کر رہے تھے۔ تقسیمِ اقتدار کے معاملے میں بھی ان کا کسی سے کوئی جھگڑا نہ تھا مگر اُن کی غیر سیاسی شخصیت اور غیر سیاسی سرگرمیوں کے باوجود اقتدار اُن کے وجود کو گوارا نہ کر سکا۔ وجہ ظاہر ہے کہ اُن کی شخصیت اگرچہ غیر سیاسی تھی مگر اصحابِ اقتدار کی نظر میں اُن کی دعوت اور پیغام کا مزاج انقلابی تھا اور اُنہیں اس بات کا شدید خطرہ لاحق تھا کہ اس پیغام کو اگر عوام نے قبول کر لیا تو پھر ان کی بادشاہت کا تخت جوں کا توں بچا نہ رہ سکے گا بلکہ اس میں بہت کچھ تبدیلیاں کرنی پڑیں گی جو انہیں کسی صورت بھی گوارا نہ ہوں گی۔

مسلمانوں میں آج تک جن حضرات نے بھی سیاست کے دائرے سے الگ رہ کر دینِ حق کو سربلند کرنے کی کوششیں کی ہیں ان کی جدوجہد کے دو نتائج ہی ہمارے سامنے آئے ہیں۔ ان میں سے اگر ایک کو حسرتناک انجام کہا جا سکتا ہے تو دوسرے کو المناک اختتام۔ پہلی نوعیت کے انجام سے وہ سادہ لوح بزرگ دوچار ہوئے جو یہ سمجھتے رہے کہ اگر ہم اقتدار سے تعرض نہ کریں تو اقتدار بھی ہماری راہ میں حائل نہ ہو گا۔ لیکن جس وقت انہوں نے اقتدار کے تیور بدلتے دیکھے تو جلد ہی اُن کی یہ خوش فہمی دُور ہو گئی۔ وہ تو سیاست کی خارزار وادی سے دامن بچا کر قدم اُٹھاتے رہے مگر اصحابِ اقتدار اس امر کا جائزہ لیتے رہے کہ اُن کی سرگرمیاں اقتدار کے لیے کس حد تک مفید اور ضرر رساں ہیں اور جونہی انہیں اس امر کا احساس ہوا کہ اُن کی ان سرگرمیوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے نتیجے میں عوام کے اندر یہ احساس بیدار ہو رہا ہے کہ جب تک اقتدار کا مزاج اور اس کی نوعیت تبدیل نہ ہو اس وقت تک کسی گوشہ زندگی میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہیں لائی جا سکتی، تو اس وقت اصحابِ اقتدار نے ان سرگرمیوں پر قدغن لگانے کی کوشش کی اور اس طرح اصحابِ اقتدار اور غیر سیاسی مصلحین کے مابین آویزش شروع ہو گئی جس سے یہ نیک دل لوگ بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن اس نازک مرحلے پر ان بزرگوں کو مصیبت پیش آئی کہ جن لوگوں کو وہ برسوں سے سیاست سے دامن کش رہنے کی تربیت دے رہے تھے وہ اس کشمکش میں اپنے آپ کو جھونکنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دینِ حق کے یہ مخلص علمبردار اپنے اخلاص کے باوجود باطل کی ایک چوٹ بھی نہ کھا سکے اور اپنے کیے کرائے پر خود ہی پانی پھیر دیا۔

دین کے خدمت گزاروں کا دوسرا گروہ ان حضرات پر مشتمل رہا ہے جو مسلمانوں کے لیے بعض دنیوی فوائد حاصل کرنے کو ہی اسلام کی بڑی خدمت تصور کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے غلطی سے یہ فرض کر لیا کہ وہ جب تک اصحابِ اقتدار کو اپنی وفاداری کا یقین نہیں دلا لیتے اس وقت تک وہ قوم کی کوئی نمایاں خدمت سر انجام نہیں دے سکتے۔ چنانچہ انہوں نے بڑے طمطراق سے یہ اعلان کیا کہ وہ سیاست سے بالکل الگ رہ کر دینِ حق کی خدمت کریں گے اور انہوں نے غیر سیاسی دائرہ میں ایک خاص نہج پر اس خدمت کا آغاز بھی کیا لیکن چونکہ انہوں نے اپنے کام کا نقشہ اس طرح تیار کیا تھا کہ اقتدار سے آویزش کے بجائے مصالحت اور سازگاری پیدا ہو اس لیے خدمتِ دین کے زعم میں وہ باطل نظامِ حیات کے ناپاک مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنتے رہے۔ یہ ان لوگوں کی "دینی کاوشوں" کا نتیجہ ہے کہ مسلم ممالک میں اسلامی تہذیب پروان چڑھنے کے بجائے مغربی تہذیب کا تسلط قائم ہوا اور اسلامی افکار و نظریات فروغ پانے کے بجائے ملحدانہ اور کافرانہ خیالات کو کھل کھیلنے کے مواقع فراہم ہوئے۔ سودی کاروبار کی حوصلہ افزائی ہونے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا پورا ڈھانچہ اس طرح تبدیل ہو کر رہ گیا جیسے اسلام کے ساتھ اس کا کوئی دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ یہ سب کچھ بالکل ناگزیر تھا جب آپ یہ اعلان کرتے ہیں کہ سیاست سے آپ کا کوئی تعلق نہیں تو آپ درحقیقت اس بات کا

© rasailojaraid.com